جاوید احمد غامدی

اخلاقیات

(۱۰)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جمال و کمال

اِنَّ الۡمُسۡلِمِیۡنَ وَالۡمُسۡلِمٰتِ، وَالۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ، وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡقٰنِتٰتِ، وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالصّٰدِقٰتِ، وَالصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰبِرٰتِ، وَالۡخٰشِعِیۡنَ وَالۡخٰشِعٰتِ، وَالۡمُتَصَدِّقِیۡنَ وَالۡمُتَصَدِّقٰتِ، وَالصَّآئِمِیۡنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ، وَالۡحٰفِظِیۡنَ فُرُوۡجَهُمۡ وَالۡحٰفِظٰتِ، وَالذّٰكِرِیۡنَ اللّٰهَ كَثِیۡرًا وَّالذّٰكِرٰتِ، اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِیۡمًا. (الاحزاب ۳۳: ۳۵)

''وہ مرد اور وہ عورتیں جو مسلمان ہیں، مومن ہیں، بندگی کرنے والے ہیں، سچے ہیں، صبر کرنے والے ہیں، اللہ کے آگے جھک کر رہنے والے ہیں، خیرات کرنے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے ہیں، اُن کے لیے اللہ نے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

انسان کے اخلاقی وجود کا حسن جب خلق اور خالق، دونوں کے معاملے میں درجۂ کمال کو پہنچتا ہے تو اس سے جو

اوصاف پیدا ہوتے ہیں یا قرآن مجید کی رو سے ہونے چاہییں، وہ یہی ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ خدا کی مغفرت ان نفوس قدسیہ کی منتظر ہے اور اس نے ایک اجر عظیم ان کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تصوف میں تو انسان کی تمام جدوجہد کا منتہاے کمال یہی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی صفات کا مظہر بننے کی کوشش کرے: خدا علیم و خبیر ہے تو وہ بھی عالم الغیب والشہادہ بن کر جیے؛ خدا کی شان تجرد ہے تو وہ بھی اپنے اندر یہی شان پیدا کرے؛ خدا بے نیاز ہے تو وہ بھی بشری تقاضوں اور انسانی ضرورتوں سے بے نیاز ہو جائے؛ خدا انفس و آفاق میں تصرف کرتا ہے تو وہ بھی پانی پر چلے، آگ سے کھیلے، بیماروں کو ہاتھ لگائے اور شفایاب کر دے، مردوں کو جلائے اور ارواح و قلوب میں جو تصرف چاہے کرے۔ لیکن قرآن کا نقطۂ نظر یہ نہیں ہے۔ اس نے کمال کا جو سب سے بڑا درجہ بیان کیا ہے، وہ خدا کی صفات کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے اور اس کے نتیجے میں ان اوصاف کا حامل بن کر جینے کا ہے جو قرآن نے یہاں ایک ہی آیت میں جمع کر دیے ہیں۔ یہ دس چیزیں ہیں اور پورے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔ دین کا جمال و کمال قرآن کے نزدیک یہی ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو اسی تک پہنچنے اور اسی کو پانے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے آگے اگر کوئی درجہ ہے تو وہ نبوت کا درجہ ہے اور اس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ اخذ و اکتساب کے ذریعے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اللہ ہی نے جس کو چاہا ہے، یہ مرتبہ عطا فرمایا ہے۔

ہم یہاں ان اوصاف کی وضاحت کریں گے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اسلام

پہلی چیز اسلام ہے۔ یہ جب اس طریقے سے ایمان کے ساتھ آتا ہے جس طرح یہاں آیا ہے تو اس سے دین کا ظاہر مراد ہوتا ہے۔ یعنی وہ ہدایت جو انسان کے قول و فعل اور اعضا و جوارح سے متعلق ہے۔ چنانچہ آدمی کی زبان اگر اللہ و رسول کے حکم پر کھلنے اور بند ہو جانے کے لیے آمادہ ہے، اس کی آنکھیں اگر ان کے ایما سے دیکھنے اور جھک جانے کے لیے تیار ہیں، اس کے کان اگر ان کی ہدایت پر سننے اور سننے سے انکار کر دینے کے لیے مستعد ہیں، اس کے ہاتھ اگر ان کے ارشاد سے اٹھنے اور گر جانے کے منتظر ہیں اور اس کے پاؤں اگر ان کے فرمان پر چلنے اور رک جانے سے گریز نہیں کرتے تو یہی اسلام ہے۔ انبیا علیہم السلام کی زبان پر 'أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ'[۷۲] اور 'أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ'[۷۳] کے الفاظ اسی حقیقت کو بیان کرنے کے لیے آئے ہیں۔

۷۲؎ آل عمران ۳: ۲۰۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بہترین نمونہ بھی انبیا علیہم السلام ہی ہیں۔ لہٰذا ہدایت کی گئی ہے کہ تسلیم و رضا کے اس مرتبے تک پہنچنے کے لیے لوگ ان ہستیوں کی اتباع کریں جنھیں اللہ نے ان کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

قُلۡ: اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ، وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ، وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ. (آل عمران ۳:۳۱)

''ان سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہوں کو بخش دے گا، اور (یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ) اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔''

یہ اتباع جس شعور اور جس جذبے کے ساتھ ہونی چاہیے، اس کی وضاحت استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس طرح فرمائی ہے:

''...رسول خدا کی معرفت کا مظہر کامل ہوتا ہے اور اس کی ایک ایک ادا معرفت الٰہی کا نشان ہوتی ہے، اس وجہ سے جو لوگ خدا سے محبت رکھتے ہیں، وہ رسول کی ایک ایک ادا سے محبت رکھتے ہیں۔ وہ رسول کے اندر وہ علم دیکھتے ہیں جو خدا کی معرفت سے حاصل ہوتا ہے، وہ عمل دیکھتے ہیں جو خدا کی معرفت سے پیدا ہوتا ہے، وہ عادات دیکھتے ہیں جو خدا کو پسند ہیں، وہ صفات دیکھتے ہیں جو خدا کو محبوب ہیں، وہ جمال دیکھتے ہیں جس پر جمال خداوندی کا پرتو ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ رسول کے ایک ایک نقش کو تلاش کر کر کے اس کی پیروی کرتے ہیں اور چونکہ یہ سب کچھ خدا کی محبت میں کرتے ہیں، اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا یہ صلہ پاتے ہیں کہ وہ اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں۔'' (تزکیۂ نفس ۱۱۷)

www.urdu-mahnama.blogspot.com

ایمان

دوسری چیز ایمان ہے۔ یہ دین کا باطن ہے اور یہاں اس سے مراد وہ یقین ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے وعدوں کے بارے میں اس کی حقیقی معرفت کے ساتھ پایا جائے۔ چنانچہ جو خدا کو اس طرح مانے کہ تسلیم و رضا کے بالکل آخری درجے میں اپنے دل و دماغ کو اس کے حوالے کر دے، قرآن کی اصطلاح میں وہ مومن ہے۔ دل کو طہارت، عقل کو روشنی اور ارادوں کو پاکیزگی اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ یہی ایمان ہے جو علم و عمل، دونوں کو ایک ساتھ متاثر کرتا اور انسان کے پورے وجود پر حاوی ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ کے ذکر اور اس کی آیتوں کی تلاوت اور انفس و آفاق میں ان

۳ے البقرہ ۲:۱۳۱۔

آیتوں کے ظہور سے اس میں افزونی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ، وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ، زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا، وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. (الانفال ۸:۲)

''ایمان والے تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل لرز جائیں اور جب اُس کی آیتیں انھیں پڑھ کر سنائی جائیں تو اُن کا ایمان بڑھ جائے اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسا رکھیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس شخص نے ایمان کی حلاوت پالی جو خدا کے رب، اسلام کے دین اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا[۴]۔ قرآن مجید نے اسے ایک ایسے درخت سے تشبیہ دی ہے جس کی جڑیں زمین کے میں اتری ہوئی اور شاخیں آسمان کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہوں:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ، اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ، تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا، وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ. (ابراہیم ۱۴:۲۴۔۲۵)

''کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ کی مثال کس طرح بیان فرمائی ہے؟ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک شجرۂ طیبہ جس کی جڑیں زمین میں اتری ہوئی اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہر موسم میں وہ اپنا پھل اپنے پروردگار کے حکم سے دے رہا ہے۔ (یہ اس کی تمثیل ہے) اور اللہ یہ تمثیلیں لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے تاکہ وہ یاددہانی حاصل کریں۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس ارشاد خداوندی کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

''آیات میں کلمۂ طیبہ سے مراد، ظاہر ہے کہ کلمۂ ایمان ہے۔ اس کی تمثیل اللہ تعالیٰ نے ایسے ثمر بار درخت سے دی ہے جس کی جڑیں زمین میں گہری اتری ہوئی اور اس کی شاخیں فضا میں خوب پھیلی ہوئی ہوں اور وہ برابر ہر موسم میں اپنے رب کے فضل سے ثمر باری کر رہا ہو۔ زمین میں جڑوں کے گہرے اترنے سے مقصود فطرت انسانی کے اندر اس کا رسوخ و استحکام ہے کہ وہ گھورے پر اگے ہوئے پودے کی مانند نہیں ہے جس کی کوئی جڑ نہ ہو، حوادث کا کوئی معمولی سا جھونکا بھی اس کو اکھاڑ پھینکے جیسا کہ کلمۂ کفر کی بابت فرمایا ہے کہ اُجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ[۵] (جو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے، اسے ذرا بھی ثبات حاصل نہ ہو)۔ بلکہ وہ ایک تناور

۴؎ مسلم، رقم ۳۴۔

۵؎ ابراہیم ۱۴:۲۶۔

درخت کے مانند اتنی پائدار اور گہری جڑیں رکھتا ہے کہ اگر اس پر سے طوفان بھی گزر جائیں جب بھی وہ ذرا متاثر نہ ہو۔ پھر اس کی فیض بخشی اور ثمر باری کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ ٹھونٹھ درخت کے مانند نہیں ہے جس سے نہ کسی کو سایہ حاصل ہو نہ پھل، بلکہ اس کی فضا میں پھیلی ہوئی سایہ دار شاخوں کے سایے میں قافلے آرام کرتے اور ہر موسم میں اس کے پھلوں سے غذا اور آسودگی حاصل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اشارہ ان فیوض و برکات کی طرف ہے جو ایک صاحب ایمان کے ایمان سے خود اس کی زندگی اور اس کے توسط سے ان لوگوں کی زندگیوں پر مترتب ہوتے ہیں جو اس سے کسی نوعیت سے قرب کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ یہ فیوض و برکات لازماً علمی اور عملی، دونوں ہی قسم کے ہوتے ہیں جو اس کے ایمان کی شہادت دیتے ہیں اور ان سے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف رفعت و سرفرازی حاصل ہوتی ہے۔'' (تزکیۂ نفس ۳۲۵)

یہی ایمان ہے جس کا یہ تقاضا قرآن میں بیان ہوا ہے کہ دنیا کی کوئی چیز بھی اس کے حاملین کو اللہ و رسول سے زیادہ محبوب نہیں ہونی چاہیے۔ ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ: اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ، وَاَبْنَآؤُكُمْ، وَاِخْوَانُكُمْ، وَاَزْوَاجُكُمْ، وَعَشِيْرَتُكُمْ، وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا، وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا، وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ، وَرَسُوْلِهٖ، وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ، فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ، وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ.

(التوبہ ۹: ۲۴)

''ان سے کہہ دو کہ تمھارے باپ، تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی، تمھاری بیویاں، تمھارا خاندان اور تمھارا وہ مال جو تم نے کمایا اور وہ تجارت جس کے مندے سے تم ڈرتے ہو اور تمھارے وہ گھر جنھیں تم پسند کرتے ہو، تمھیں اگر اللہ سے، اس کے رسول سے، اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر کر دے، اور (جان لو کہ) اس طرح کے بدعہدوں کو اللہ راہ یاب نہیں کرتا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ حقیقت مختلف طریقوں سے واضح فرمائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک حقیقی مومن نہیں ہو سکتا، جب تک وہ مجھے اپنی اولاد، والدین اور اعزہ و اقربا سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔[۷۶] ایک دوسرے موقع پر فرمایا ہے کہ اللہ و رسول کے ساتھ یہی محبت ہے جس کے بعد کوئی شخص ایمان کی اصلی لذت سے آشنا ہو سکتا ہے۔[۷۷]

۷۶۔ بخاری، رقم ۱۵۔ مسلم، رقم ۴۴۔

۷۷۔ بخاری، رقم ۱۶۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لیکن یہ کس قسم کی محبت ہے؟ اس کے بارے میں لوگ چونکہ بہت کچھ غلط فہمیوں اور افراط وتفریط میں مبتلا رہتے ہیں، اس لیے اس کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''اس سے مقصود محض وہ جذباتی محبت نہیں ہے جو آدمی کو فطری طور پر اپنے بیوی بچوں سے یا اپنے دوسرے عزیزوں کے ساتھ ہوتی ہے، بلکہ اس سے مقصود وہ عقلی اور اصولی محبت بھی ہے جو ایک شخص کو کسی اصول اور مسلک کے ساتھ ہوا کرتی ہے اور جس کی بنا پر وہ اپنی زندگی میں ہر جگہ اسی اصول اور اسی مسلک کو مقدم رکھتا ہے۔ اس اصول اور مسلک کے اوپر وہ ہر چیز اور ہر اصول، ہر مسلک اور ہر خواہش اور ہر حکم کو قربان کر دیتا ہے، لیکن خود اس کو دنیا کی کسی چیز پر بھی قربان نہیں کرتا۔ اس اصول اور مسلک کی برتری کے لیے وہ ساری چیزوں کو پست کر دیتا ہے، لیکن اس اصول اور مسلک کو کسی حالت میں بھی پست دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ اگر اس سے خود اس کا اپنا نفس اس مسلک کی مخالفت میں مزاحم ہوتا ہے تو وہ اس سے بھی لڑتا ہے، اگر دوسرے اس سے مزاحم ہوتے ہیں تو ان کا بھی وہ مقابلہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے بیوی بچوں اور اعزہ واقارب کے مطالبات بھی اگر اس کے اس مسلک کے مطالبات سے کسی مرحلہ پر ٹکراتے ہیں تو وہ اپنے اس اصول اور مسلک کا ساتھ دیتا ہے اور بے تکلف اپنے بیوی بچوں کی خواہشوں اور اپنے خاندان اور قوم کے مطالبہ کو ٹھکرا دیتا ہے۔'' (تزکیۂ نفس ۱۱۹)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ایمان واسلام کی یہی حقیقت ہے جو پیغمبر کی زبان فیض ترجمان پر یہ بے مثل دعا بن گئی ہے:

اللھم ،اسلمت وجھی الیك، وفوضت امری الیك، والجأت ظھری الیك، رغبة ورھبة الیك، لا ملجا ولا منجا منك الا الیك، اللّٰھم، امنت بکتابك الذی انزلت وبنبیك الذی ارسلت.

(بخاری، رقم ۲۴۴)

''اے اللہ، میں نے اپنے آپ کو تیرے حوالے کر دیا ہے، اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا ہے اور تجھ سے ٹیک لگا لی ہے، تیری عظمت سے لرزتے ہوئے اور تیرے اشتیاق میں بڑھتے ہوئے۔ تجھ سے بھاگ کر کہیں پناہ اور کہیں ٹھکانا نہیں، اور اگر ہے تو تیرے ہی پاس ہے۔ پروردگار، میں تیری کتاب پر ایمان لایا ہوں جو تو نے نازل کی ہے اور تیرے نبی پر ایمان لایا ہوں جسے تو نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

قنوت

تیسری چیز قنوت ہے۔ یہ وہ قلبی کیفیت ہے جو انسان کو پورے اخلاص اور یک سوئی کے ساتھ دائماً اپنے پروردگار

کی اطاعت پر قائم رکھتی ہے۔ بندۂ مومن کے نہاں خانۂ وجود میں عبد و معبود کے تعلق کا سب سے نمایاں ظہور یہی ہے۔ چنانچہ 'قانتین' وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ بندگی میں رہیں۔ غم، خوشی، جوش، ہیجان اور لذت والم کی کسی حالت میں بھی اپنے خالق سے سرکش نہ ہوں۔ شہوت کا زور، جذبات کی یورش اور خواہشوں کا ہجوم بھی انھیں خدا کے سامنے کبھی بے ادب نہ ہونے دے۔ ان کا دل خدا کا عرش ہو اور اس کی شریعت کو وہ حضوری میں دیا گیا حکم سمجھیں جس سے سرتابی کا تصور بھی دربار میں کھڑا ہوا کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ یہ، اگر غور کیجیے تو وہی کیفیت ہے جس کا اظہار یہ پورا عالم اور اس کی تمام مخلوقات ہر لحظہ زبان حال سے کر رہی ہیں:

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ، یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَالشَّمَآئِلِ، سُجَّدًا لِّلّٰہِ، وَھُمۡ دٰخِرُوۡنَ، وَلِلّٰہِ یَسۡجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ دَآبَّۃٍ، وَّالۡمَلٰٓئِکَۃُ، وَھُمۡ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ، یَخَافُوۡنَ رَبَّھُمۡ مِّنۡ فَوۡقِھِمۡ، وَیَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ. (النحل ۱۶: ۴۸۔۵۰)

''اور کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے جو چیزیں بھی پیدا کی ہیں، اُن کے سایے دائیں اور بائیں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور ان پر فروتنی ہوتی ہے۔ اور زمین و آسمان میں جتنے جانور اور فرشتے ہیں، وہ بھی اللہ ہی کے آگے سربسجود ہیں اور کبھی سرکشی نہیں کرتے۔ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ جو اُن سے اوپر ہے اور وہی کرتے ہیں جس کا حکم انھیں دیا جاتا ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

صدق

چوتھی چیز صدق ہے۔ یہ قول و فعل اور ارادہ، تینوں کی مطابقت اور استواری کی تعبیر کے لیے آتا ہے۔ آدمی کے منہ سے کوئی حرف صداقت کے خلاف نہ نکلے، اس کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہ ہو اور وہ اپنی ہر بات کو نباہ دے تو یہ زبان اور عمل کی سچائی ہے، لیکن اس کے ساتھ نیت اور ارادے کی سچائی بھی لازماً شامل ہونی چاہیے۔ قرآن نے اس کے ضد کردار کو نفاق اور اسے اخلاص سے تعبیر کیا ہے پھر جگہ جگہ وضاحت فرمائی ہے کہ خدا کے نزدیک عمل کا اصلی پیکر وہی ہے جو کارگاہ قلب میں تیار کیا جائے، لہٰذا صدق کا درجۂ کمال قول و فعل اور ارادے کی اسی مطابقت سے حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں 'صَدَقُوۡا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیۡہِ'[۸] (اللہ سے جو عہد انھوں نے باندھا، اُسے پورا کر دکھایا) کے الفاظ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔ یعنی زبان کا حرف، دل کا ارادہ اور عمل کی ہر جنبش حق و صداقت کا مظہر بن

۸؎ الاحزاب ۳۳: ۲۳۔

جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا، وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. (الحجرات ۴۹: ۱۵)

''ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر کسی شک میں نہیں پڑے اور اپنے جان و مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے۔ یہی صادقین ہیں۔''

صبر

پانچویں چیز صبر ہے۔ یہ نفس کو اضطراب اور بے چینی سے روکنے کے لیے آتا ہے۔ سورۂ حجرات کی آیت 'وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ'[۷۹] (اور اگر وہ تمھارے باہر نکلنے تک صبر سے کام لیتے) میں یہ اپنے اسی ابتدائی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ پھر اس سے مشکلات اور موانع کے علی الرغم پامردی، استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے موقف پر جمے رہنے کے معنی اس میں پیدا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ آیۂ زیر بحث میں جس صبر کا ذکر ہے، وہ عجز و تذلل کے قسم کی کوئی چیز نہیں ہے جسے بے بسی اور درماندگی کی حالت میں مجبوراً اختیار کیا جائے، بلکہ عزم و ہمت کا سرچشمہ اور تمام سیرت و کردار کا جمال و کمال ہے۔ اسی سے انسان میں یہ حوصلہ پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کے ناخوش گوار تجربات پر شکایت یا فریاد کرنے کے بجائے وہ انھیں رضامندی کے ساتھ قبول کر لے اور خدا کی طرف سے مان کر ان کا استقبال کرے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے 'صابر' وہ شخص ہے جو ہر خوف و طمع کے مقابل میں اپنے موقف پر قائم اور اپنے پروردگار کے فیصلوں پر راضی اور مطمئن رہے۔

اس کے تین مواقع قرآن میں بیان ہوئے ہیں: غربت، بیماری اور جنگ۔ غور کیجیے تو تمام شدائد و مصائب کا منبع یہی تین چیزیں ہیں۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ، وَالضَّرَّآءِ، وَحِيْنَ الْبَاْسِ. (البقرہ ۲: ۱۷۷)

''اور جو تنگی، بیماری اور جنگ کے مواقع پر ثابت قدم رہیں۔''

اس آیت میں 'نصب علی المدح' کے طریقے پر صبر کو نمایاں کر کے قرآن نے بتا دیا ہے کہ سیرت و کردار کے معاملے میں اس کی اہمیت کس قدر غیر معمولی ہے۔ اس کی مزید وضاحت قرآن مجید میں اس کے مواقع استعمال سے ہوتی ہے۔

۷۹۔ ۴۹: ۵۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دعوت حق کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ کو ہدایت کی گئی کہ لوگوں کی عداوت اور دشمنی کی پروا کیے بغیر پوری سرگرمی کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہیں، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو جائے۔ آپ کو ہر حال میں اس فیصلے کا انتظار کرنا ہے۔ اس سے پہلے آپ کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔ قرآن میں یہ مفہوم اسی لفظ صبر سے ادا ہوا ہے:

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ، وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ، وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ. (یونس ۱۰:۱۰۹)

''اور اُس وحی کی پیروی کرو جو تمھاری طرف کی جا رہی ہے اور صبر کے ساتھ انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے، اور وہی فیصلہ کرنے والا ہے۔''

ایوب علیہ السلام پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، لیکن انھوں نے تسلیم و رضا کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی مدح کی تو اس کے لیے بھی یہی تعبیر اختیار کی ہے:

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا، نِعْمَ الْعَبْدُ، اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ. (ص ۳۸:۴۴)

''ہم نے اُسے بہت صابر پایا، بہترین بندہ، وہ اپنے پروردگار کی طرف بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

لقمان کی نصیحت قرآن میں نقل ہوئی ہے۔ راہ حق کی مصیبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لیے انھوں نے بیٹے کو اسی کی تلقین فرمائی ہے:

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ، وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ، اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (لقمان ۳۱:۱۷)

''اور بھلائی کی تلقین کرو اور برائی سے روکو، اور جو مصیبت بھی پیش آئے اس پر صبر کرو۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔''

دعوت کی جدوجہد کے لیے اٹھنے والوں کو ایک اہم ہدایت قرآن میں یہ کی گئی ہے کہ ان کے مخاطبین اگر ظلم و زیادتی اور ایذا رسانی پر اتر آئیں تو بہتر یہی ہے کہ ان کی بدتمیزیوں کو نظر انداز کر کے وہ ان کی بدخواہی کا جواب بھی نیکی سے دیں۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ برداشت، تحمل اور عفو و درگزر کی جو صفت اس کے لیے آدمی کو اپنے اندر پیدا کرنی پڑتی ہے، قرآن میں اس کے لیے صبر ہی کا لفظ آیا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ، وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ، وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ، اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ، وَهُوَ اَعْلَمُ

''اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ دعوت دو اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے بحث کرو اُس طریقے سے جو پسندیدہ ہو۔ بے شک، تمھارا پروردگار خوب جانتا ہے اُن کو بھی جو اس کی راہ

بِالْمُهْتَدِيْنَ، وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ، وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ، لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ. (النحل ۱۶: ۱۲۵۔۱۲۷)

سے بھٹکے ہوئے ہیں اور اُن کو بھی جو ہدایت پانے والے ہیں۔ اور اگر بدلہ لو تو اتنا ہی جتنی تکلیف تمھیں پہنچی ہے اور اگر صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے لیے یہ بہت ہی بہتر ہے۔''

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ، وَعَمِلَ صَالِحًا، وَّقَالَ: اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ، اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ، فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ، وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا، وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ. (حٰم السجدہ ۴۱: ۳۳۔۳۵)

''اور اس سے بڑھ کر اچھی بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں اور (یہ حقیقت ہے کہ) بھلائی اور برائی یکساں نہیں ہے۔ تم برائی کو اُس خیر سے دفع کرو جو بہتر ہے تو تم دیکھو گے کہ وہی جس کے اور تمھارے درمیان عداوت تھی، وہ گویا ایک سرگرم دوست ہے۔ اور (یاد رکھو کہ) یہ دانش انھی کو ملتی ہے جو صبر کریں اور انھی کو ملتی ہے جو بڑے نصیب والے ہوتے ہیں۔''

میدان جنگ میں جب موت سامنے کھڑی ہوتی ہے، کلیجے منہ کو آتے ہیں اور آنکھیں خوف سے پتھرا جاتی ہیں تو جو لوگ بہادری اور استقامت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں اور ان کے پاے استقلال میں لغزش نہ آئے، ان کے لیے بھی یہی لفظ ہے:

فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ، وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ. (الانفال ۸: ۶۶)

''لہٰذا تم میں سے اگر سو صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار ایسے ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر بھاری رہیں گے، اور (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ انھی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے جو فرائض اور ذمہ داریاں انسان پر عائد کی ہیں، انھیں عمر بھر پورے استقلال اور مضبوطی کے ساتھ ادا کیا جائے اور استاذ امام کے الفاظ میں جس طرح کسان اپنے کھیت میں ہل چلاتا، اس میں تخم ریزی کرتا، اس کو پانی دیتا اور برابر اس کی نگرانی کرتا ہے، اسی طرح بندۂ مومن اگر اپنے اس مبارک مزرعہ میں پوری محنت اور اس کی پوری حفاظت کرے تو اس کے لیے بھی یہی تعبیر ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

... رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا، فَاعْبُدْہُ، وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِہٖ. (مریم ۱۹: ۶۵)

''... زمین و آسمان اور اُن کے درمیان کی ہر چیز کا پروردگار، سو اُسی کی بندگی کرو اور صبر کے ساتھ اُسی کی بندگی پر قائم رہو۔''

رنج و راحت اور حزن و مسرت کے جو مواقع زندگی میں ہر شخص کو پیش آتے ہیں، ان میں اگر آدمی ضبط نفس سے کام لے، خوشی اور مسرت اس میں فخر و غرور پیدا نہ کرے اور غم و اندوہ کی حالت میں اس کے اندر مایوسی اور بددلی نہ ہو تو اس رویے کے لیے بھی قرآن میں یہی لفظ اختیار کیا گیا ہے:

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَۃً، ثُمَّ نَزَعْنٰھَا مِنْہُ، اِنَّہٗ لَیَئُوْسٌ کَفُوْرٌ، وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْہُ لَیَقُوْلَنَّ: ذَھَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ، اِنَّہٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ، اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، اُولٰٓئِکَ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ. (ہود ۱۱: ۹۔۱۱)

''اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت سے نوازتے، پھر اس سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس ہو جاتا ہے اور ناشکری کرنے لگتا ہے، اور اگر اُس مصیبت کے بعد جو اُس پر آئی تھی، اسے ہم نعمتوں سے نوازتے ہیں تو کہتا ہے کہ میری مصیبتیں ختم ہوئیں، پھر وہ پھولا نہیں سماتا اور اکڑنے لگتا ہے۔ اس سے مستثنیٰ صرف وہی ہیں جو صبر کرنے والے ہیں اور نیکوکار ہیں۔ یہی ہیں جن کے لیے مغفرت بھی ہے اور بڑا اجر بھی۔''

اس سے واضح ہے کہ صبر مجبوری کے درگزر اور بے بسی کی خاموشی کا نام نہیں ہے، بلکہ اس چیز کا نام ہے کہ بندۂ مومن ہر حال میں اپنے رب کے فیصلوں پر راضی رہے، نتیجۂ عمل میں تاخیر سے پریشان نہ ہو، اضطراب اور بے چینی سے بچا رہے، برائی کرنے والوں کے لیے بھی اپنے دل میں انتقام کا کوئی جذبہ پیدا نہ ہونے دے، حق کی مدافعت کا موقع ہو تو موت کو سامنے دیکھ کر بھی ثابت قدم رہے، رنج و راحت کی ہر حالت میں ضبط نفس سے کام لے اور جس چیز کو فرض و واجب سمجھے، تمام عمر اس کی پابندی کرتا رہے۔

انسان کی سیرت کا یہی پہلو ہے جس سے خدا اور بندے کے درمیان وہ تعلق قائم ہوتا ہے جسے توکل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی ہر حال میں خدا ہی پر بھروسا کیا جائے۔ 'اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ' اسی تفویض اور سپردگی کا کلمہ ہے۔ قرآن کا بیان ہے کہ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے خاص الطاف و عنایات ہیں جو اس کلمے پر قائم رہتے اور اسی پر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ہے:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ، قَالُوۡٓا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ. اُولٰٓئِكَ عَلَیۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ.

(البقرہ۲:۱۵۵۔۱۵۷)

''اور (اِس میں) جو ثابت قدم ہوں گے، اُنھیں (کامیابی کی) بشارت دو۔ (وہی) جنھیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہیں کہ لاریب، ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں (ایک دن) اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اُن کے پروردگار کی عنایتیں اور اس کی رحمت ہوگی اور یہی ہیں جو (اُس کی) ہدایت سے بہرہ یاب ہونے والے ہیں۔''

خشوع

چھٹی چیز خشوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اس کی عظمت وجلال کے صحیح تصور سے جو تواضع، عجز اور فروتنی انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے، قرآن اسے خشوع سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ ایک قلبی کیفیت ہے جو اسے خدا کے سامنے بھی جھکاتی ہے اور دوسرے انسانوں کے لیے بھی اس کے دل میں رحمت ورأفت کے جذبات پیدا کر دیتی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پہلی صورت میں اس کا بہترین اظہار نماز، بالخصوص شب کی نمازوں میں ہوتا ہے، جب بندۂ مومن دنیا کی سب چیزوں سے الگ ہو کر تنہا اپنے پروردگار سے سرگوشیاں کرتا اور اپنی تنہائیوں کو اس کے ذکر وشکر سے معمور کر دیتا ہے۔ قرآن کے بعض دوسرے مقامات پر 'مستغفرین بالاسحار'[۸۰] (پچھلی رات کو اٹھ کر اپنے گناہوں کی مغفرت چاہنے والے) اور 'والذین یبیتون لربهم سجداً وقیاماً'[۸۱] (جو راتیں اپنے پروردگار کے آگے سجود اور قیام میں گزارتے ہیں) جیسے اسالیب میں اسے ہی بیان کیا گیا ہے۔ صدقے اور روزے سے متصل پہلے اسے رکھ کر یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ترتیب بیان سے اسی جانب اشارہ کیا ہے اور نماز کو گویا اس کی حقیقت سے تعبیر کر دیا ہے۔ تہجد کی نماز میں یہ حقیقت، جیسا کہ بیان ہوا، سب سے بڑھ کر نمایاں ہوتی ہے۔ قرآن کے اشارات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضوری کا وقت ہے اور خدا سے محبت کرنے والوں کو ہمیشہ بہت محبوب رہا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''... پرسکون اور سکون بخش ہونے کے لحاظ سے شب وروز کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت بھی اس کا مقابلہ نہیں

۸۰؎ آل عمران۳:۱۷۔

۸۱؎ الفرقان۲۵:۶۴۔

کرسکتا۔ آسمان سے لے کر زمین تک سکون ہی سکون ہوتا ہے۔ اس وقت سب سو رہے ہوتے ہیں۔ شاید شیطان بھی سو رہا ہوتا ہے۔ صرف وہ رب غفار و کریم جاگتا ہے جو کبھی نہیں سوتا یا پھر وہ جاگتا ہے جس کا بخت بیدار ہوتا ہے۔ اٹھیے اور ستاروں کی چھاؤں میں کھڑے ہو جایے تو فی الواقع محسوس ہوگا کہ آسمان کے دریچے کھلے ہوئے ہیں اور سماے دنیا سے توبہ اور رحمت کی منادی ہو رہی ہے۔ اس وقت کی کیفیات ایسی واضح ہیں کہ اس کو دنیا دار اور دین دار، رند اور زاہد، دونوں ہی جانتے ہیں۔ سونے والے اس کو سونے کے لیے بہترین وقت سمجھتے ہیں اور جاگنے والے اس کو جاگنے کے لیے، سب سے بہتر وقت سمجھتے ہیں اور فی الحقیقت ان دونوں کا سمجھنا صحیح ہے۔ جو وقت سونے کے لیے سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہوگا، وہی جاگنے کے لیے بھی سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہوگا۔ قربانی تو عزیز و محبوب ہی کی مقبول ہوتی ہے۔ چنانچہ اس وقت کو اللہ تعالیٰ نے بھی مقربین کی نماز کے لیے خاص کیا ہے۔ جن کے پہلو اس وقت بستر کی لذت کو چھوڑتے ہیں، ان کی التجائیں اور دعائیں سننے کے لیے وہ خود سماے دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی میری رحمت کا طالب کہ میں اس کو اپنی رحمت کے دامن میں چھپالوں؟'' (تزکیۂ نفس ۲۴۳)

دوسری صورت میں یہ کیفیت بندۂ مومن کی پوری شخصیت پر اثر انداز ہوتی اور اسے اپنے اہل و عیال کے لیے سراپا شفقت، اپنے دوستوں، پڑوسیوں اور ملنے والوں کے لیے سراسر رحمت اور اپنے معاشرے کے لیے ایک سرچشمۂ ہدایت بنا دیتی ہے۔ چنانچہ ایسے ہی حلیم اور مہربان انسانوں سے وہ تمدن وجود میں آتا ہے جو زمین پر خدا کی جنت اور ہر سلیم الفطرت انسان کا مطمح نظر اور اس کی آرزوؤں کا محور ہوتا ہے۔ قرآن میں یہ انھی نفوس قدسیہ کا ذکر ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْناً، وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ، قَالُوْا: سَلَاماً، وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَقِيَاماً، وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ، اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَاماً، اِنَّهَا سَآءَ تْ مُسْتَقَرّاً وَّمُقَاماً...وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَاماً.
(الفرقان ۲۵: ۶۳۔۷۲)

''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں اور جاہل اُن سے الجھیں تو ان کو سلام کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اور جو اپنی راتیں اپنے پروردگار کے حضور سجود و قیام میں گزارتے ہیں اور جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب، تو دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچالے۔ اس کا عذاب تو بالکل چمٹ جانے کی چیز ہے۔ وہ بڑا ہی برا مستقر ہے، اور بڑا ہی برا مقام ہے... اور کسی بے ہودہ چیز پر گزر ہو تو

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بڑے وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔‘‘

صدقہ

ساتویں چیز صدقہ ہے۔ اللہ کی راہ میں انفاق کا ایک درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے مال میں سے فرض زکوٰۃ ادا کرتا رہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اپنی ذاتی اور کاروباری ضرورتوں سے زیادہ جو کچھ ہو، اسے معاشرے کا حق سمجھے اور جب کوئی مطالبہ سامنے آئے تو اسے فراخ دلی کے ساتھ پورا کر دے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ اپنی خواہشوں کو دبا کر اور اپنی ضرورتوں میں ایثار کر کے بھی وہ دوسروں کی ضرورتیں پوری کرے۔ یہی وہ چیز ہے جسے قرآن نے 'وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ، وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'[۸۲] (وہ اُن کو احتیاج کے باوجود اپنے اوپر ترجیح دے رہے ہیں) کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ صدقہ دینے والوں کی تعبیر ان سب صورتوں کو شامل ہو سکتی ہے، لیکن بیان اوصاف کے موقع پر جب کسی شخص کو 'متصدق' کہا جائے گا تو اس سے اشارہ اصلاً اس کے درجۂ کمال ہی کی طرف ہوگا۔ یعنی جو سخی اور فیاض ہو اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دے۔ بندوں کے تعلق سے یہ اسی خشوع کا ظہور ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے۔ نماز اور انفاق کا ذکر قرآن میں اسی بنا پر ساتھ ساتھ آتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.almawrid.org

روزہ

آٹھویں چیز روزہ ہے۔ یہ ضبط نفس اور تربیت صبر کی خاص عبادت ہے۔ قرآن میں اس کا مقصد یہ بیان ہوا ہے کہ اس سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ 'صائمین' سے مراد وہ لوگ ہیں جو تقویٰ کے ایسے حریص ہیں کہ اس کے لیے زیادہ تر روزے سے رہتے ہیں۔ اس سے یہ بات آپ سے آپ معلوم ہوئی کہ وہ منکرات سے بچتے، فواحش سے اجتناب کرتے اور اپنی زندگی میں تمام اخلاق عالیہ کا بہترین نمونہ ہوتے ہیں۔

حفظ فروج

نویں چیز حفظ فروج ہے۔ یعنی جو شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ ضبط نفس اور تقویٰ کا ثمرہ ہے۔ برہنگی، عریانی اور فواحش سے اجتناب کرنے والوں کے لیے یہ تعبیر قرآن میں بعض دوسرے مقامات پر بھی آئی ہے۔

۸۲؎ الحشر ۵۹: ۹۔

مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی عفت و عصمت کی بالکل آخری درجے میں حفاظت کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے جہاں اجازت دی ہے، اس کے سوا خلوت و خلوت میں اپنا ستر وہ کسی کے سامنے نہیں کھولتے اور نہ کوئی ایسا لباس کبھی پہنتے ہیں جو ان اعضا کو نمایاں کرنے والا ہو جو اپنے اندر کسی بھی لحاظ سے جنسی کشش رکھتے ہیں۔ فواحش سے اجتناب کا یہی درجہ ہے جس سے وہ تہذیب پیدا ہوتی ہے جس میں حیا فرماں روائی کرتی اور مرد و عورت، دونوں اپنے جسم کو زیادہ سے زیادہ کھولنے کے بجائے، جہاں تک ممکن ہو، زیادہ سے زیادہ ڈھانپ کر رکھنے کے لیے مضطرب ہوتے ہیں۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com